علامہ سعیدی اور تبیان القرآن

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

شیخ الحدیث والتفسیر، صاحب تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو مردم خیز سرزمین دہلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔ جس وقت یہ معصوم بچہ اپنی ماں کی آغوش میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا کسے خبر تھی کہ آگے چل کر یہ بچہ مفسر قرآن بنے گا۔ نہ صرف مفسر بلکہ محدث بھی۔ نہ صرف محدث بلکہ فقیہ بھی۔ علامہ سعیدی بلاشبہ ان تینوں صفات کے جامع ہیں۔ اور اس حیثیت سے ملت اسلامیہ کا عظیم اثاثہ بھی، اس شان کا کوئی دوسرا عالم دور دور تک نظر نہیں آتا۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

علامہ سعیدی نے دس سال کی عمر میں پرائمری پاس کی۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ اسی اثناء میں پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ آپ کے خاندان نے ہجرت کا عمل اختیار کیا اور دہلی چھوڑ کر کراچی آبسا۔ یہ وقت علامہ سعیدی کے لیے سخت نامساعد تھا۔ دس گیارہ سال کے بچے کو مختلف معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ معاشی مسائل نے سلسلہ تعلیم موقوف کرادیا۔ آٹھ سال تک آپ مختلف پریسوں میں کام کرتے رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے مولانا محمد عمر اچھروی کی تقریر سے متاثر ہوکر، سلسلہ تعلیم دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے جامعہ محمدیہ رضویہ (رحیم یار خان) میں داخلے کا فیصلہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ سراج العلوم (خانپور) چلے گئے۔ بعد ازاں مفتی محمد حسین نعیمی کے ہاں

جامعہ نعیمیہ (لاہور) پہنچے اور سند فراغت حاصل کی۔ پھر علامہ عطا محمد بندیالوی کے ہاں بندیال شریف، ضلع خوشاب گئے، وہاں سے بھی فراغت حاصل کی اور آخر میں جامعہ قادریہ (فیصل آباد) پہنچے، جہاں مولانا ولی النبی سے اقلیدس اور تصریح پڑھیں۔

تحصیل علوم کے بعد عمر ۲۹ سال آپ جامعہ نعیمیہ (لاہور) میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہاں سے آپ کے درس کی شہرت دور دور تک پھیلی۔ ۱۹۷۸ء میں مفتی اہلسنت، مفتی سید شجاعت علی قادری آپ کو بہ اصرار دارالعلوم نعیمیہ کراچی لے آئے۔ مگر یہاں ایک سال ہی گزرا تھا کہ مفتی محمد حسین نعیمی آپ کو دوبارہ جامعہ نعیمیہ (لاہور) لے گئے۔ جہاں ۸۵ء تک آپ تدریس وتحقیق میں سرگرم عمل رہے۔ اسی سال مفتی شجاعت علی قادری آپ کو دوبارہ کراچی لے آئے۔ جہاں آپ کو "شیخ الحدیث" کے منصب پر فائز کیا گیا اور تادم تحریر آپ اسی منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے یہ منصب اس شان سے نبھایا کہ باید وشاید۔۔۔ آپ جامعہ نعیمیہ کی حد تک ہی شیخ الحدیث نہ رہے بلکہ مسلم شریف کی مبسوط شرح لکھ کر آپ نے دنیائے علم سے شیخ الحدیث ہونے کا خراج وصولا۔ آپ کی شرح کی نہ صرف پاکستان، بلکہ ہندوستان، امریکہ، افریقہ، اور یورپ کے دور دراز علاقوں تک یکساں دھوم ہے۔ گو علامہ سعیدی نے شرح صحیح مسلم ۱۹۸۰ء میں لکھنی شروع کی تھی لیکن جلد اول مکمل کرنے کے بعد ایسے بیمار ہوئے کہ چار سال تک سوائے تدریس کے کچھ نہ کرسکے۔ مارچ ۸۶ء میں شرح کا کام دوبارہ شروع کیا اور جنوری ۱۹۹۳ء تک اس کی سات جلدیں مکمل فرمائیں۔

آپ کے مخلصین اور احباء کا ایک وسیع حلقہ تقریباً پوری دنیا میں قائم ہے اور ان سب کی شدید خواہش رہتی ہے کہ آپ کچھ وقت ان کیلئے بھی نکالیں۔ مگر آپ علمی وتحقیقی سرگرمیوں میں اشتغال کے باعث ہر جگہ تو نہیں جاسکے تاہم دو مرتبہ برطانیہ ضرور تشریف لے گئے۔ پہلی بار ۱۹۹۰ء میں اور دوسری بار ۱۹۹۴ء میں ان دوروں میں آپ نے برطانیہ کے مختلف شہروں میں اہم موضوعات پر خصوصی لیکچرز دیئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان دوروں میں آپ نے شرح صحیح مسلم کا کام بھی جاری رکھا اس امر کا تذکرہ آپ کی شرح میں ملتا ہے۔

عالم اسلام کے معروف عالم دین، مبلغ اسلام، قائد ملت اسلامیہ، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے قدر دانوں بلکہ مداحوں میں شامل تھے۔ انہوں نے آپ کی علوم دینیہ میں مہارت کے پیش نظر آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنوایا۔ اور بقول سعیدی صاحب کے بڑے عرصے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ آپ ہی کی سفارش سے انہیں یہ منصب ملا تھا۔ (تبیان القرآن جلد ۱۰،

ص: ۶۵۰، اختتام تفسیر الشوریٰ)

علامہ سعیدی نے ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ بمطابق ۲۱ فروری ۱۹۹۴ء کو تبیان القرآن لکھنے کا آغاز فرمایا۔ (تبیان القرآن، جلد اول ص: ۳۹) اور ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۳ جنوری ۲۰۰۶ء بروز جمعۃ المبارک، یہ عظیم الشان تفسیری شاہکار اپنے اختتام کو پہنچا۔

یہ امر قابل ذکر اور اہل ذوق کی دلچسپی کا باعث ہے کہ علامہ سعیدی کی پیدائش ۱۰ رمضان کو ہوئی اور تبیان القرآن کا آغاز بھی ۱۰ رمضان کو ہوا۔ رمضان، نزول قرآن کا مہینہ ہے اس ماہ مبارک میں پیدا ہونے والے نومولود کی قرآن مجید سے مناسبت کچھ ایسی فطری تھی کہ آگے چل کر اس نومولود نے قرآن کی تفسیر کا ایک روشن باب رقم کیا اور ثابت کر دیا کہ وہ رمضان اور قرآن ہر دو کی برکتوں سے خوب مالا مال ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جس عظیم ماں نے سے جنم دیا تھا اس کے صبح و شام بھی تو قرآن سے عبارت تھے وہ عظیم ماں اپنے بچپن سے بڑھاپے تک بلکہ اپنی وفات سے چند سال پہلے تک بچوں اور بچیوں کو قرآن مجید ہی پڑھاتی رہی ہے۔ بس یہی اس کا وظیفہ حیات تھا۔ میں اس لئے کہتا ہوں کہ علامہ سعیدی کا قرآن سے والہانہ عشق بالکل فطری ہے یہ عشق ہی تو ہے کہ جس نے ۱۹۹۴ء میں شروع ہونے والا کام ۲۰۰۶ء تک کے مختصر عرصے میں پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اتنی کم مدت میں اتنی ضخیم تفسیر، شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔ یہ تفسیر بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے جسکی دس جلدیں تادم تحریر شائع ہو چکی ہیں اس جلد میں سورہ جاثیہ تک کی تفسیر آگئی ہے۔ گیارہویں جلد اشاعت کے مرحلے میں جبکہ بارہویں جلد کمپوزنگ کے مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے۔ بارہویں جلد مکمل ہونے کی اطلاع مجھے اگلے روز فون پر مولانا نصیر اللہ نقشبندی نے دی۔ یہ اذان مغرب سے دس منٹ پہلے کی بات ہے مغرب کے فوراً بعد میں نے علامہ سعیدی مدظلہ کو فون پر مبارک باد دی۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کل میری زندگی میں تین عیدیں جمع فرمائیں پہلی عید تو یہ کہ ۱۲ ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کا تیسرا روز تھا دوسری عید یہ کہ جمعۃ المبارک کا دن تھا اور تیسری عید یہ کہ تبیان القرآن مکمل ہوئی۔ بلاشبہ حضرت نے درست فرمایا۔ مگر ہماری عید تو حضرت والا کی دید میں منحصر تھی اور ان مبارک ہاتھوں کو چومنے میں جو قرآن مجید کیلئے ہمہ دم وقف رہے الحمد للہ یہ خواہش بھی جلد پوری ہوئی۔

تفسیر تبیان القرآن کے امتیازات، تفردات اور خصوصیات اور رجحانات پر تفصیلی گفتگو پھر کسی موقع پر، سردست اتنا کہنا چاہوں گا کہ اس تفسیر کی جو خوبی بادی النظر میں ہی نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں تفسیرات کے ضمن میں اہلسنت کے چاروں فقہی مکاتب نیز امامیہ کے فقہی کتب کو حسب ضرورت یکجا کر دیا گیا ہے اسی طرح احادیث کو بھی مع تخریجات کے اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ بایں طور یہ تفسیر حدیثی

اور فقہی ہر دو نقطہ نظر کی جامع بلکہ ترجمان بن گئی ہے۔ بلاشبہ اس شان کی کوئی دوسری تفسیر، اردو میں نہیں ملتی اتنے عظیم علمی شاہکار کا خالق بلاشبہ اس لائق ہے کہ اسے سراہا جائے اسکی ہر ہر سطح پر پذیرائی کی جائے۔ ملک کی جامعات اگر علامہ سعیدی کو ان کے تفسیری کارنامے پر پی ایچ۔ ڈی کی اعزازی ڈگری جاری کریں تو اس سے یقیناً ڈگری کے علمی وقار میں اضافہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ، علامہ سعیدی کا سایہ عاطفت تادیر صحت و عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے اور انکے ایک اور علمی شہ پارے "انعام الباری فی شرح صحیح بخاری" کو بھی بہت جلد مکمل کرا دے۔ (آمین) جس کا آغاز تبیان القرآن کے مکمل ہوتے ہی کر دیا گیا ہے۔ اس وقت عوام اور علمائے کرام ہر دو کی نظریں، علامہ سعیدی کے اس قلم پر مرکوز ہیں جو ان کے ہاتھ میں انگلی کی طرح پیوست اور متحرک نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین!

.....

Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

مولانا وصی مظہر ندوی

پروفیسر ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی☆

مسلمانوں کی تقویم کا مدار چاند کی گردش کے حوالے سے ہجرت کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ انگریزوں کے اثر سے ہم اپنے سارے معاملات کا حساب و کتاب عیسوی تقویم سے کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ۲۰۰۵ نے اپنے اختتامی لمحات میں جاتے جاتے ہمیں ایک بڑی علمی سیاسی، سماجی، دینی اور ادبی شخصیت سے محروم کر دیا۔

مولانا وصی مظہر ندوی کا شمار ان چند گنی چنی شخصیات میں ہے جنہوں نے اپنے پختہ کردار، آہنی عزم، بے پناہ استقلال، جرأت ایمانی، بے نفسی، سادگی، تقوی اور دیانت امانت سے ایک عالم کو متاثر کیا۔ جسمانی اعتبار سے نہایت کمزور مگر عزم و ارادہ میں نہایت پختہ، اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا مصداق یہ شخص جب اپنی حمیت سے مجبور ہو کر اپنی آواز بلند کرتا تو معلوم ہوتا کہ درن کانپ رہا ہے اور اس شیر کی دھاڑ سے بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو جاتے۔

مولانا نے اپنی بھرپور زندگی گذاری ان کی شخصیت ہمہ جہت تھی، عربی زبان کے وہ قادر الکلام خطیب اور مایہ ناز انشاء پرداز تھے، اپنے طلباء کا دل موہ لینے والے ایسے کامیاب استاد تھے جن میں تفہیم اور تسہیل کی غیر معمولی صلاحیت تھی مشکل سے مشکل علمی مسئلہ کو نہایت عام فہم انداز میں بڑی آسانی سے حل کر دیتے تھے۔

بنیادی طور پر وہ استاد اور ماہر تعلیم تھے فکر معاش سے کوسوں دور سادگی اور قناعت ان کا شیوہ

☆ سابق ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر و سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ کراچی

تھی لکھنو جیسے متمدن شہر کا یہ باسی منصورہ میں مٹی کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں وہ راحت محسوس کرتا تھا جو لوگوں کو ایئر کنڈیشن اور ہر طرح سے آراستہ پیراستہ مکانوں میں میسر نہیں آتی۔

معلم کی حیثیت سے ان کی زندگی کا آغاز تو ندوۃ العلماء سے فراغت کے فوراً بعد اس وقت ہو گیا تھا جب وہ ادارہ تعلیمات اسلامیہ لکھنو سے وابستہ ہوئے، ہجرت کے بعد انہوں نے حیدرآباد کے مشہور اسکول نور محمد ہائی اسکول میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض انجام دیئے لیکن ایک استاد، اور کامیاب ماہر تعلیم کی حیثیت سے ان کے جوہر شاہ ولی اللہ کالج منصورہ میں کھلے وہاں ان کو کامل آزادی کے ساتھ اپنے نہایت زرخیز ذہن میں پیدا ہونے والے منصوبوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملا مولانا کو تعلیم و تربیت کا خداداد ملکہ عطا ہوا تھا وہ اس میدان میں نئے نئے طریقہ ایجاد کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کالج کے دارالاقامہ کو تربیت گاہ کا نام دیا اور اس تربیت گاہ کو ایک ریاست تصور کرتے ہوئے اس کا پورا نظام ترتیب دیا اور تمام معاملات طلباء کو سونپ دیئے اور ہر قدم پر ان کی پوری رہنمائی کی۔ طلباء کی مثبت آراء کو ہمیشہ اہمیت دی۔ اختلاف رائے کی پوری آزادی عطا کی طلباء کی تنقید اور تبصرہ کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور حوصلہ مندی کے ساتھ سنا۔ مولانا کے تربیت یافتہ شاگردوں کی ایک بہت بڑی کھیپ علمی دانشگاہوں، سیاسی اداروں اور تجارتی مراکز میں نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور ان کے لیئے ہمہ وقت دعا گو ہے۔ ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں میں مولانا کی تعلیم و تربیت کا بڑا دخل ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ فریضہ اقامت دین کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے اس راہ میں مولانا مودودی کی شخصیت اور ان کے پیش کردہ لائحہ عمل سے متاثر ہونے کے بعد وہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے لیکن اس جماعت میں ان کی حیثیت مرے مقلد کی نہیں تھی۔ ایک بیدار صاحب بصیرت مفکر کی حیثیت سے وہ ہر منصوبہ پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اور نہایت جرأت کے ساتھ اپنی بات کہنے کا گر جانتے تھے وہ جماعت کی مجلس شوری کے رکن رہے اس مجلس میں ان کی تجاویز کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بسا اوقات ان کے تبصرے اور تنقید سے ماحول میں خوب گرمی بھی پیدا ہو جاتی تھی اور ہر شخص کے لیے ان کے دلائل کے سامنے ٹھہرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ بالآخر ایک مرحلہ پر ان کو جماعت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ عام طور پر بڑی جماعتوں سے الگ ہونے والے گوشہ گمنامی میں جا گرتے ہیں۔ اور سیاسی میدان میں کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے لیکن مولانا کے سیاسی قد و قامت میں اس علیحدگی سے کوئی فرق نہیں پڑا نہ ہی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی آئی۔ وہ حیدرآباد کے میئر

کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ ضیاء الحق صاحب کی کابینہ میں مرکزی وزیر کی حیثیت سے انہوں نے فعال کردار ادا کیا۔ اور ضیاء الحق صاحب مرحوم کی بہت سے دینی خدمات میں ان کے شریک و سہیم رہے۔

ان کی فکری جولان گاہ کا ایک میدان صحافت بھی ہے۔ ایک دانشور، مفکر اور ماہر سیاست کی حیثیت سے ملک کے موقر جرائد اور مجلات میں ان کے مضامین مسلسل شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہ مضامین بڑے مدلل اور عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عمر کے آخری حصہ میں بچوں کے کینیڈا منتقل ہو جانے کے بعد ان کا بیشتر وقت کینیڈا میں گذرتا تھا۔ کینیڈا میں مولانا کا قیام وہاں کے مسلمانوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا ایک داعی کی حیثیت سے خرابی صحت کے باوجود انہوں نے وہاں بڑی بھرپور زندگی گذاری۔ ریڈیو اور ٹی وی پر ان کی تقاریر کا ایک مربوط سلسلہ تھا۔ درس وتدریس سے وابستگی بھی قائم رہی درس قرآن، درس حدیث، عربی زبان کی تدریس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس اہل کینیڈا کے لیے ایک بالکل نیا تجربہ تھا واضح رہے اسرار شریعت کے فلسفہ پر مشتمل شاہ صاحب کی یہ کتاب مولانا کی پسندیدہ کتابوں میں سر فہرست تھی منصورہ میں بھی مولانا یہ کتاب بڑے ذوق وشوق اور خاص انداز سے پڑھایا کرتے تھے۔

کینیڈا کے دوران قیام مولانا کو یورپ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے مسائل سے مکمل آگاہی ہوئی اور کسب معاش کے لیے ہجرت کرنے والے اس گروہ کے مستقبل کے بارے میں وہ ہمیشہ تشویش میں مبتلا رہے۔ پاکستان آمد کے موقع پر وہ اکثر غریب خانے کو رونق بخشتے تھے اور والد محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی سے بھی کئی طویل نشستوں میں ہجرت یورپ کے متعدد پہلوؤں پر انہوں نے تبادلہ خیال کیا۔ دونوں حضرات کی یہ متفقہ رائے تھی کہ مستقل قیام کی غرض سے یورپ منتقل ہونا بڑے خطرات کا حامل ہے اور دینی اور دنیاوی اعتبار سے اسمیں بڑی مضرتیں ہیں۔ البتہ ایک داعی کی حیثیت سے وہاں کچھ وقت گذارنا اہل علم ودانش اور اصحاب تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔ مولانا کے وہاں قیام کی غرض وغایت بھی یہی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کینیڈا کو مولانا کی موجودگی سے بہت فائدہ پہنچا اور وہ آخری دم تک فریضہ اقامت دین ان کا وہاں بھی مشن رہا۔ اور وہیں وہ آسودہ خاک بھی ہوئے۔

....

ایک عالم۔ ایک استاد۔ ایک سیاستدان

مولانا وصی مظہر ندویؒ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

آہ! جید عالم دین، عربی ادب کے مایہ ناز استاد، یگانہ استاد العلماء اور مدبر سیاستدان، مولانا وصی مظہر ندوی ۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) انتقال کے وقت مولانا کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی۔ دو کئی ماہ سے بیمار تھے اور کینیڈا کے کسی اسپتال میں زیر علاج۔ تقریباً پانچ سال سے وہ وہیں رہائش پذیر بھی تھے۔ ویسے تو لکھنو آپ کا مولد تھا۔ مگر کینیڈا آپ کا مدفن بنا۔ آپ کی تعلیمی زندگی کا آغاز یوپی (بھارت) کے معروف علمی ادارے ندوۃ العلماء لکھنو سے ہوا۔ دیگر ندوی علماء کی طرح آپ بھی معروف اور ثبت علمی شہرت کے حامل قرار پائے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف اداروں سے بحیثیت استاد اور معلم وابستہ رہے۔ جن میں سب سے زیادہ وقت شاہ ولی اللہ اور نیل کالج منصورہ کے حصے میں آیا۔ آپ اس ادارے کے موسس بھی تھے۔ تقریباً بارہ سال تک آپ یہاں انتظامی اور تدریسی ہر دو فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے۔

مولانا تنظیمی وتدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تصنیفی صلاحیتوں سے بھی کما حقہ بہرہ ور تھے۔ آپ نے ملک کے مختلف شہروں سے نکلنے والے اخبارات ورسائل میں متعدد علمی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر سنجیدہ مضامین لکھے۔ جو بلاشبہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اگر ان مضامین کو یکجا کر کے کسی مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک علمی خدمت ہوگی ابلاغ عامہ کے طلبہ یہ کام بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں بلکہ مولانا کی صحافیانہ زندگی پر تحقیقی کام کر کے ایم۔ فل یا پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی